حضرت علامہ طالوت رحمۃ اللہ علیہ کے قلم سے

رحمۃ للعلمین کی ولادتِ باسعادت

بآیا ئتنا ھوا مّہا تنا

فرشتے ہنس رہے ہیں، لعنتی شیطان روتا ہے
خدا کا گھر خدا کے نور سے آباد ہوتا ہے
زمیں کا مرتبہ بڑھتا ہے باوصفِ نگونساری
کہ آنے والے ہیں اس پہ حبیبِ حضرت باری
زمیں کو اس ترقی پر فلک سے داد ملتی ہے
فلک کیا عرشِ اعلیٰ سے مبارکباد ملتی ہے
گئے انسانیت کے ذلت و خواری کے دن بیشک
گئے مظلوم کی آہوں کے اور زاری کے دن بیشک -
ہوا ہی چاہتا ہے خاتمہ باطل کی ہستی کا
یہی ہے آخری دن گویا شخصیت پرستی کا
ہے مٹنے کو خدایانِ کہن کی گرم بازاری
ہبل پر نائلہ پر لات پر لرزہ ہوا طاری
ادب سے سر جھکاؤ مالکِ لولاکؐ آتے ہیں
ردائے اِنَّمَا اوڑھے نبیؐ پاک آتے ہیں

مولانا ابوالکلام آزادؒ

میلادِ نبوی ـــــ اور ـــــ موضوع روایات

ولادتِ نبوی کے سلسلہ میں بہت سی موضوع اور ضعیف روایات رائج ہیں ۔
احمد حسین خان بی اے نامی ایک صاحب نے حضرت مولانا ابوالکلام آزادؒ رحمۃ اللہ علیہ سے مجالس مولدِ نبوی میں بیان کی جانے والی انہی روایات کی حقیقت دریافت کی ہے ۔ یہ استفسار اور جواب ۱۳ فروری ۱۹۱۳ کے "الہلال" میں شائع ہوا ۔ (ادارہ)

استفسار

چند دنوں کے بعد ماہ مبارک ربیع الاول آنے والا ہے جبکہ مولود شریف کی مجلسیں جابجا منعقد ہوں گی لیکن جس طریقے سے یہ مجلسیں منعقد ہوتی ہیں اور جو حالات و واقعات ان میں بیان کیے جاتے ہیں، معلوم نہیں جناب کا خیال اس بارے میں کیا ہے ؛ میں تو اس کو نہایت افسوسناک سمجھتا ہوں اور یقین کرتا ہوں کہ یہی حالات و واقعات ہیں، جنھوں نے حضرت بانی اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی پاک زندگی کے متعلق مخالفین کے دلوں میں شکوک پیدا کر دیے ہیں ۔

ایک مدت سے میرا خیال تھا کہ ایک مختصر سا رسالہ آنحضرت کے حالات میں جمع کر دوں، جس کو مولود شریف کی مجلسوں میں پڑھا جائے، لیکن جس طرح کے حالات کی تلاش تھی وہ کہیں نہیں ملتے تھے ۔ عرصہ ہوا ایک رسالہ امیر احمد امیر مینائی صاحب نے شائع کیا تھا اور لکھا تھا کہ اس میں حالاتِ زندگی ایک بہت بڑے عالم کی مدد سے لکھے گئے ہیں لیکن اسے بھی دیکھا، از سرتاپا وہی قصے بھرے تھے ۔

اس سال میں نے بطور دستور کے ایک تحریر لکھی اور چند علمائے دین کو بغرض اصلاح سنائی لیکن وہ اس امر پر نہایت برہم و ناراض ہوئے کہ ذکر ولادت کے وہ واقعات اس میں نہ تھے جو تمام کتب مولود میں بیان کیے گئے ہیں ۔ میں نے ان میں سے ایک صاحب تصنیف عالم سے عرض کیا کہ کیا یہ واقعات مستند تاریخوں اور حدیث کی کتابوں میں لکھے ہیں ؟ انھوں نے جواب میں لکھا کہ "یہ تمام واقعات و معجزات صحیح ہیں جن کو تمام مورخین و محدثین نے ہمیشہ بیان کیا ہے ۔ بڑے بڑے علمائے دین اور اکابر اسلام نے ان کی تصدیق فرمائی ہے اور ان کو پڑھا ہے اور مجلسوں میں سنا ہے، البتہ آج کل کے نیچریوں اور لامذہبوں کو ان کے ماننے میں تامل ہے، کیونکہ انگریزی کتابوں میں مرقوم نہیں"

آپ ہمیشہ ہم انگریزی دانوں کو الحاد اور مذہبی غفلت کا الزام دیتے ہیں لیکن جس انداز اور طریقے سے

دیتے ہیں، اس کی وجہ سے ہم نہایت خوش ہیں اور آپ کو اپنا خیرخواہ اور مصلح سمجھتے ہیں لیکن خدا کے لیے اس بارے میں میری تشفی کر دیجیے کہ آیا یہ واقعات واقعی مستند کتابوں میں مرقوم ہیں؛ اور ان میں شک کرنا نیچریت اور مذہب سے کنارہ کشی ہے؛ اگر واقعی ایسا ہے تو انصاف کیجیے کہ کیا یہ واقعات عقل میں آتے ہیں؟ اور ان کو آج کل کوئی تسلیم کر سکتا ہے؛ معاف فرمائیے گا اگر ایسے ہی واقعات سنا کر آپ ہم کو دینی جذبات سے برگشتگی کا الزام دیتے ہیں تو دیجیے۔ ہماری سمجھ میں تو نہیں آتے۔ وہ واقعات یہ ہیں:

۱۔ حضرت کی ولادت کا وقت قریب آیا تو ایک مرغ سفید نمودار ہوا اور حضرت آمنہ کے پاس آیا، نیز اس شب کو تمام جانوروں اور پرندوں نے گفتگو کی۔

۲۔ حضرت مریم اور حضرت آسیہ کا ولادت سے پہلے آنا اور بشارت دینا۔

۳۔ جب حضرت عبداللہ کا نکاح حضرت آمنہ سے ہوا تو دو سو عورتیں رشک سے مرگئیں۔

۴۔ حضرت کی ولادت کے دن آتشکدۂ ایران بجھ گیا۔ قصر نوشیرواں کے کنگرے گر گئے اور خانہ کعبہ کے بُت اوندھے ہو گئے۔

۵۔ ولادت کے بعد حضرت کچھ دیر کے لیے غائب ہو گئے پھر کسی نے بہشتی کپڑوں میں لا کر رکھ دیا۔

۶۔ روشنیوں کا نمودار ہونا اور عجیب عجیب آوازوں کا سنائی دینا۔

مجالس ذکر حضور کی فضیلت

مولانا نے جواب میں تحریر فرمایا:

آپ کا جوشِ دینی، محبت ایمانی اور فکر اصلاح مجالس ذکر مولود، مستحق تحسین و لائق تشکر ہے۔ فجزاکم اللہ تعالیٰ۔

آپ نے ایک نہایت اہم اور ضروری بحث چھیڑ دی۔ جی چاہتا ہے کہ بلا تامل صفحے کے صفحے لکھ جاؤں، لیکن افسوس کہ وقت اور گنجائش سے مجبور ہوں، لہٰذا چند کلمات ضروریہ پر اکتفا کرتا ہوں۔

مولود کی مجالس کا عجیب حال ہے۔ مقصدِ مجالس کے لحاظ سے دیکھیے تو فقیر کے اعتقاد میں اس سے زیادہ اہم، عظیم المنفعۃ اور قوم کے لیے ذریعہ ارشاد و ہدایت اور کوئی اجتماع نہیں۔ لیکن طریق انعقاد پر نظر ڈالیے تو اجتماعی و مجلسی قوتوں کے ضائع کرنے کی بھی اس سے زیادہ اور کوئی افسوسناک مثال نہیں ملے گی۔ اسلام ایک تعلیم تھی اور اس تعلیم کا عملی نمونہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کہ:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللّٰهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيرًا۔ (الاحزاب: ۲۱)	(بے شک رسول اللہ کی زندگی میں ان لوگوں کے لیے پیروی اور اتباع کا بہترین نمونہ ہے جو اللہ سے ڈرنے اور یوم آخرت پر ایمان رکھنے والے اور بہ کثرت ذکر کرنے والے ہیں)

حضرت عائشہؓ سے پوچھا گیا کہ اس "صاحب خلق عظیم" کا اخلاق کیا تھا؟ فرمایا: خلقہ القرآن! اگر آنحضرت کا

اخلاق دیکھنا ہے تو قرآن کو دیکھ لو کہ اس "کتاب مرقوم" کا وہ ایک "ظل مجسم" اور اس کے عملی نمونے کی ایک "لوح محفوظ" تھے!
وفی ذلک فلیتنافس المتنافسون[1]

اصل مقصد کیا تھا

پس مولود کی مجلسوں کا اصل مقصد یہ ہوتا تھا کہ وہ اس "اسوۂ حسنہ" کے جمال الٰہی کی تجلی گاہ ہوتیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحیح حالات زندگی سنائے جاتے۔ ان کے اخلاق عظیمہ اور فضائل کریمہ کے اتباع کی لوگوں کو دعوت دی جاتی اور ان اعمال کا دلوں میں شوق و ولولہ پیدا کیا جاتا، جو ایک "مسلم و مومن" زندگی کے کیرکٹر کا اصلی مایۂ خمیر ہیں اور جن کے اتباع نے صحابہ کرام کی زندگی کو اس درجے تک پہنچا دیا تھا کہ لسان الٰہی نے "یحبھم و یحبونہ[2]" کی صدائے محبت سے ان کی مدح سرائی کی اور اتباع محبوب نے انھیں خود محبوب بنا دیا۔

قُلْ إِن كُنتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ۔ (آل عمران: ۳۱)

اے پیغمبر! مدعیان محبت الٰہی سے کہہ دو کہ اگر تم واقعی اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میرا اتباع کرو (اگر تم نے ایسا کیا تو تم کو اللہ کی محبت کے دعوے کی ضرورت نہ ہوگی بلکہ) خود اللہ تم کو اپنا محبوب بنا لے گا اور تمھارے گناہوں کو بھی بخش دے گا۔ وہ نہایت مہربان بخشنے والا ہے۔

اگر ایسا ہوتا تو ظاہر ہے کہ ان مجالس سے بڑھ کر مسلمانوں کے لیے سعادت کونین کا ذریعہ اور کیا تھا! یہ تمام کانفرنسیں، اور انجمنیں جن کا چاروں طرف ہنگامہ بپا ہے، ایک طرف اور اس مجلس کا ایک لمحہ ایک طرف، جو اس "اسوۂ حسنہ" کے نظارے میں بسر ہو۔ ہماری مجلسیں اسی ذکر کے لیے ہونی چاہئیں اور ہماری آنکھیں اسی جمال جہاں آرا کے نظارے کے لیے،

خدا سر دے تو سودا دے تری زلف پریشاں کا

---

[1] اور اس میں چاہیے رغبت کرنے والے رغبت کریں (التطفیف: ۲۶)

[2] اشارہ ہے سورۂ مائدہ کی اس آیت کی طرف،

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا مَن يَرْتَدَّ مِنكُمْ عَن دِينِهِ فَسَوْفَ يَأْتِي اللَّهُ بِقَوْمٍ يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّونَهُ أَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ أَعِزَّةٍ عَلَى الْكَافِرِينَ يُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلَا يَخَافُونَ لَوْمَةَ لَائِمٍ ذَٰلِكَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَن يَشَاءُ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ۔ (۵۴)

مسلمانو! تم میں سے جو اپنے دین سے پھر جائے گا تو (وہ یہ نہ سمجھے کہ اس کے پھر جانے سے دین کو کچھ نقصان پہنچے گا) قریب ہے کہ اللہ ایک ایسا گروہ مومنوں کا پیدا کر دے جنھیں خدا دوست رکھتا ہو اور وہ بھی خدا کو دوست رکھنے والے ہوں، مومنوں کے مقابلے میں نہایت نرم اور جھکے ہوئے لیکن دشمنوں کے مقابلے میں نہایت سخت۔ اللہ کی راہ میں جانیں لڑا دیں گے اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہیں ڈریں گے۔ اللہ کا فضل ہے جس گروہ کو چاہے عطا فرما دے۔ وہ اپنے فضل میں بڑی ہی وسعت رکھنے والا اور سب کا حال جاننے والا ہے۔

ولنعم ما قیل:

مصلحت دید من آن است کہ یاران ہمہ کار
بگزارند و خم طرۂ یارے گیرند!

صورت قائم، حقیقت مفقود

لیکن بدبختی یہ ہے کہ ہمارے اعمال کی صورتیں مسخ نہیں ہوئیں۔ حقیقت غارت ہو گئی ہے۔ قومی تنزل کے معنی یہی ہیں کہ تمام قومی و دینی اشغال بظاہر قائم رہتے ہیں، لیکن ان کی رُوح مفقود ہو جاتی ہے۔ یہ نہیں کہ ہماری مسجدیں اُجڑ گئی ہیں۔ کتنے جھاڑ اور فانوس ہیں، جن سے مسجدیں بقعۂ نور بنائی جاتی ہیں! مگر رونا یہ ہے کہ دل اجڑ گئے ہیں اور یہ وہ بستی ہے کہ جب یہ ویران ہو جائے تو پھر آبادی کہاں!

مجھے یہ ڈر ہے دلِ زندہ! تو نہ مر جائے
کہ زندگانی عبارت ہے تیرے جینے سے

فانہا لا تعمی الابصار و لکن تعمی القلوب التی فی الصدور[1]

مجھے کیا کہنا تھا اور کیا کہنے لگا۔ بہرحال مولود کی مجلسیں بھی اپنے مقصد کے لحاظ سے ایک بہترین دینی عمل تھیں، جن کی صورت تو قائم ہے، مگر حقیقت مفقود ہے۔ محض ایک رسمی تقریب ہے جو مثل اور رسمی صحبتوں کے ضروری سمجھ لی گئی ہے اور امراء و رؤساء نے تو اپنی نمائش اور ریائے دولت کا اسے بھی ایک ذریعہ بنا لیا ہے۔

روایات ضعیفہ و قصص موضوعہ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحیح حالات زندگی اور ان انقلابات عظیمہ کے بیان کی جگہ (جو آپ کی ولادت کے واقعے نے مشرق و مغرب میں پیدا کر دیے) کتنے افسوس کی بات ہے کہ محض چند روایات ضعیفہ و قصص موضوعہ کے بیان کرنے پر اتنے بڑے ملی و دینی جذبے کو قربان کر دیا جاتا ہے! پھر اگر محض طبقۂ عوام کا یہ حال ہو تو قابل شکایت نہیں، لیکن تعجب اور صد ہزار تعجب ہے اس بوالعجبی پر کہ صدہا علمائے ملت ہیں جو باوجود ادعائے رسوخ حدیث و سیر و وسعت نظر و علم، ان روایات کو خاموشی کے ساتھ سنتے ہیں۔ خود پڑھتے ہیں اور لوگوں سے پڑھواتے ہیں۔ مگر ایک لمحہ کے لیے بھی ان کے دل میں تحقیق و تفتیش کی جنبش پیدا نہیں ہوتی؛

کاش جس قدر بحث نفس انعقاد مجلس کے سنت و بدعت ہونے کی نسبت کی گئی ہے، وہ اس مجلس کی اصلاح حال کے لیے کی جاتی! وہ تمام چیزیں جو قوم میں شوق و شغف کے ساتھ موجود ہوں، درحقیقت ایک قوت ہیں۔ پس سب سے اول کوشش یہ ہونی چاہیے کہ اسٹیم کو ضائع کرنے کی جگہ اس سے مفید کام لیا جائے۔ البتہ اگر اصل کار ہی جادۂ شریعت سے منحرف ہو اور صورت اصلاح مفقود تو پھر اس کے استیصال کی کوشش امر بالمعروف میں داخل اور ناگزیر ہے۔

---

[1] پس آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں لیکن دل اندھے ہو جاتے ہیں، جو سینوں میں ہیں۔ (سورۃ حج: ۴۶)

مذہب کے نادان حامی

ہزار تعجب ہے اس عالم، صاحبِ تصنیف و تالیف کے دعوائے علم پر، جس کے جواب کے بعض جملوں کو آپ نے نقل کیا ہے۔ درحقیقت یہی وہ مذہب کے نادان حامی ہیں جن کی دوستانہ حمایت ہمیشہ دشمنوں کی مخالفت سے زیادہ مذہب کے لیے مضر رہی ہے۔ جن روایات کی نسبت آپ نے تحقیق چاہی تھی، ان کا انکار نہ تو نیچریت ہے اور نہ الحاد، بلکہ عین شیوۂ اسلام و ایمان ہے اور ہر صاحبِ نظر جس کو فنِ حدیث و سیر سے کچھ بھی خبر ہو گی، ایک لمحہ کے لیے بھی ان روایات کو تسلیم نہیں کرے گا۔

آپ اس سعی و کوشش کے لیے مستحق تحسین تھے۔ افسوس کہ اس نادان مدعی علم نے تشدد مذہبی اور حمیت کا بیجا استعمال کیا، حالانکہ جو محل استعمال ہیں ان کی ہوا سے علما خبر بھی نہیں لیتے۔

بہت سے لوگ ہیں جو تشدد مذہبی اور تعصب دینی کو علمائے حال کی طرف منسوب کرتے ہیں اور برسوں سے اس پر زور دے رہے ہیں لیکن میں اسے صحیح نہیں سمجھتا۔ مجھ کو تو شکایت ہے کہ جس درجہ تشدد مذہبی علما میں ہونا چاہیے، افسوس ہے کہ نہیں ہے۔ صدہا امور ایسے ہیں جن میں صاف طور پر ان کے بے جا تسامح و مداہنت کو دیکھ رہا ہوں اور حق و معروف کے اعلان سے دانستہ اعراض کیا جا رہا ہے۔ البتہ چند چھوٹی چھوٹی باتیں ہیں جن میں تشدد کا اظہار ہوتا ہے، چونکہ یہ اظہار بے محل ہوتا ہے اس لیے محض رائیگاں جاتا ہے بلکہ اکثر موقعوں میں اور مضر ہوتا ہے۔

ایک بڑا نکتہ

ایک بہت بڑا نکتۂ عمل یہ ہے کہ ہر قوت کا استعمال اس کے صحیح محل میں ہو۔ آپ اسٹیم کو جس سے سمندروں میں جہاز، خشکیوں پر ریل اور کارخانوں میں مشینیں چلتی ہیں، ٹاٹ کی بوریوں میں بھر کر غبارہ بنانے کی کوشش نہ کیجیے ورنہ آپ کی قوت اور سعی دونوں رائیگاں جائیں گی۔

یہ اس ذکر کے چھیڑنے کا وقت نہیں ورنہ بجائے خود ایک داستان طولانی ہے۔ اپنی مصیبتوں کا حال یہ ہے کہ چاودرکا کوئی گوشہ دھبے سے خالی نہیں۔ کس کس چیز کو بیان کیجیے؟ کس کس کے حال پر روئیے؟ پھر اتنا وقت کہاں سے لائیے؟

آسودہ شبے باید و خوش مہتابے
تا با تو حکایت کنم از ہر بابے

معیارِ صحت روایات

لیکن ان روایات کی صحت و عدم صحت کی نسبت آپ نے ضمناً جن خیالات کا اظہار فرمایا ہے، افسوس کہ فقیر ان سے متفق نہیں۔ وہ ایک نہایت خطرناک اصولی غلطی ہے، جس میں زمانۂ حال کے مدعیان تحقیق و اجتہاد اور رہروانِ جادۂ تطبیقِ عقل و نقل برسوں سے مبتلا ہیں۔ آپ نے بار بار اس سوال کو دہرایا ہے کہ اگر یہ روایات صحیح ہیں تو کیا عقل میں آسکتی ہیں؟ جواباً گزارش ہے کہ روایات تو یقیناً صحیح نہیں، لیکن یہ اصول بھی کب صحیح ہے کہ جو واقعہ آپ کی عقل میں نہ آئے وہ یکسر غلط اور موضوع ہے؟

آپ بلا تامل پوچھیے کہ یہ واقعات اصول فن روایت کی بنا پر کہاں تک صحیح اور قابل قبول ہیں؟ اور میں آپ کو

یقین دلاتا ہوں کہ صرف اتنا پوچھ لینا ہی آپ کے مقصد کے لیے کافی ہے لیکن یہ کہاں کا اصول تحقیق اور معیار تمیز حق و باطل ہے کہ واقعہ کی صحت کے لیے پہلی شرط آپ کی عقل کی تصدیق ہے؟ آپ لوگ آج کل بے تکلف یہ جملہ کہہ دیا کرتے ہیں مگر نہیں سمجھتے کہ کیسی خطرناک سوفسطائیت کی راہ ہے، جو اس طرح آپ کے سامنے کھل جاتی ہے؟ ہر واقعے کی صحت و عدم صحت کے لیے پہلی چیز اصول روایت اور صحت نقل کی شرائط کا اجتماع ہے اور بس، نہ کہ زید و عمرو کی عقل میں آنا۔ مجھ کو یقین نہیں کہ مارکونی ٹیلیگرام کو آپ کی عقل تسلیم کرتی ہو[1] اور غالباً آپ نے اب تک اس کا عینی مشاہدہ بھی نہ کیا ہوگا، لیکن اول مرتبہ جب اس ایجاد کی خبر یورپ کے کسی مستند پرچے میں دیکھی ہوگی اور تمام اخباروں میں اس کی شہرت کا غلغلہ مچا ہوگا تو فرمائیے آپ نے اس کی تصدیق کی تھی یا انکار؟

صحیح راہِ عمل

آپ کو معلوم نہیں یہی وہ سرحد ہے جہاں سے (باوجود اتحاد مقصد و اصول) مجھے آجکل کے مصلحین مذہب سے الگ ہو جانا پڑتا ہے۔ ان لوگوں کا یہ حال ہے جس حدیث اور جس روایت کو اپنے خود ساختہ معیار عقلی سے ذرا بھی الگ پاتے ہیں معاً اس سے انکار کر دینے کے لیے بے چین ہو جاتے ہیں اور پھر اس انکار محض کو "تطبیق منقول و معقول" کے مرعوب کن لفظ سے تعبیر کرنے کے علانیہ تمسخر سے نہیں شرماتے۔ وتقولون بافواھکم ما لیس لکم بہ علم وتحسبونہ ھیّنا وھو عند اللہ عظیم۔[2]

حالانکہ اگر ان کو علوم دینیہ کے حصول کا موقع ملا ہوتا اور علم و فن پر نظر ہوتی تو وہ دیکھتے کہ اسی مقصد کو اصول فن کے ساتھ چل کر بھی حاصل کر سکتے ہیں۔

کیا ضرورت ہے، ان روایات کی محض اس وجہ سے تغلیط کر دی جائے کہ وہ ہماری عقل میں نہیں آتیں، جبکہ اصول مقررۂ حدیث و آثار و طریق جرح و تعدیل روایت و تحقیق و نقد روایت و شہادات موثقہ ارباب علم و فن کی بنا پر بغیر ادنیٰ دقت کے ثابت کر سکتے ہیں کہ یہ روایات ہی پایۂ اعتبار سے ساقط ہیں اور اصول فن کے اعتبار سے لائق احتجاج نہیں۔ اس طرح بغیر رشتہ اصول کو ہاتھ سے دیئے، اسی منزل مقصود تک پہنچ سکتے ہیں۔

انکار کی جداگانہ بنیادیں

معلوم نہیں آپ نے میری گزارش کو سمجھا بھی یا نہیں؟ میں کہتا ہوں کہ بہت سی باتیں ہیں، جن سے انکار کرنے میں ممکن ہے آپ کے مصلحین حال اور ہم متفق ہوں، لیکن پھر بھی ہم میں اور ان میں بُعد المشرقین ہے۔ وہ محض اس بنا پر انکار کرتے ہیں کہ ان کی عقل میں نہیں آتی اور ہم اس لیے انکار کرتے ہیں کہ اصول فن سے ان کا قابل تسلیم ہونا ثابت نہیں۔ فای الفریقین احق بالامن ان

---

[1] یہ ۱۹۱۲ء کی تحریر ہے جب لاسلکی یا بے تار برقی کے ذریعے سے پیغام پہنچانے کی ایجاد پر زیادہ وقت نہیں گزرا تھا۔ اٹلی کا مشہور سائنسدان مارکونی اس کا موجد تھا مولاناؒ نے اسی کی مثال پیش کر دی۔ [2] تم اپنے منہ سے وہ بات کہتے تھے جس کا تمہیں کوئی علم نہ تھا اور تم اسے سہل سمجھتے تھے اور وہ اللہ کے نزدیک بھاری بات تھی۔ (سورۂ نور : ۱۵)

کنتم تعلمون[1]

آپ کہیں گے کہ نتیجہ دونوں کا ایک ہے۔ میں کہوں گا کہ منزل تک پہنچنے ہی پر سفر کی کامیابی موقوف نہیں، بلکہ بہت کچھ راہ سفر کے تعین و انتخاب پر بھی ہے۔

آج کل کے مصلحین اور علمائے حق

آپ کو نہیں معلوم، صدہا باتیں ہیں کہ آج کل کے مصلحین بھی کہتے ہیں اور انھیں کو امام غزالی اور شاہ ولی اللہ قدس اللہ سرہما نے بھی کہا ہے، مگر دونوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ ایک سے الحاد پرورش پاتا ہے اور دوسرے سے مذہب کو تقویت ہوتی ہے؛ حالانکہ مقصود پہلی جماعت کا بھی تقویت مذہب ہی ہے۔ یہ فرق حالت بھی زیادہ تر اسی اختلاف طریق کا نتیجہ ہے۔ آپ لوگوں کو شکایت ہے کہ علما آجکل کی چیزوں پر متوجہ نہیں ہوتے۔ یہ سچ ہے، مگر اس کو بھی تو دیکھیے کہ آپ لوگوں نے ان کی نظروں کو متوجہ کرنے ہی کا کون سا سامان کیا ہے؛ لوگ دیکھتے ہیں کہ جس چیز کو آپ "تطبیق عقل و نقل" کہتے ہیں، وہ صرف ایک تیز و برق خرام قینچی ہے جس کو آپ نے اٹھایا اور بے تکان قطع و برید شروع کر دی۔ نہ علم و فن سے مس ہے، نہ اصول و قواعد کی خبر ہے، نہ کتابوں پر نظر ہے اور نہ اس زبان سے واقفیت ہے جس سے قرآن و حدیث کو الگ نہیں کیا جا سکتا۔ پھر وہ آپ کی وقعت کریں تو کیا کریں؛

گو میں اپنے عقیدے سے اس اغماض کو بھی علما کی ایک سخت غلطی سمجھتا ہوں اور بیان وجوہ کا یہ موقع نہیں، تاہم اگر وہ اپنے اغماض کی یہ توجیہ کریں تو آپ کیا جواب دیں گے؛

میں جو ہمیشہ شیخ محمد عبدہٗ اور ان کے متبع طریقت سید رشید رضا کی تعریف کرتا ہوں تو اس کی بھی یہی وجہ ہے کہ انھوں نے بہ نسبت ہندوستان کے مصلحین جدید کے اس نکتے کا زیادہ خیال رکھا ہے، حالانکہ ضرورت ان کے سامنے بھی وہی تھی، جو یہاں درپیش ہے۔

طبقۂ محدثین اور گروہ قصاص

اب آپ اپنے سوالات کا جواب لیں۔ عقل و فلسفہ کو زحمت دینے کی ضرورت نہیں۔ سرے سے یہ تمام روایتیں ہی از قبیل قصص و حکایات موضوعہ ہیں، جن کا کتب معتبرۂ حدیث میں نام و نشان تک نہیں۔

تفصیل کی یہاں گنجایش نہیں مگر چند الفاظ کہوں گا۔ یہ کیسی سخت بدبختی کی بات ہے کہ آج مسلمانوں میں جن چیزوں کی سب سے زیادہ شہرت اور عوام و خواص میں جو بیانات سب سے زیادہ مقبول ہیں، وہی سب سے زیادہ غیر معتبر اور ناقابل تسلیم بھی ہیں۔ یہ حال ہر علم و فن کا ہے۔ تاریخ میں وہی کتابیں اور انھیں کتابوں کی حکایتیں مشہور و

---

[1] ہم دونوں فریقوں میں سے کس کی راہ امن کی راہ ہوئی۔ اگر تم علم و بصیرت رکھتے ہو؟ (انعام ۸۱)

مقبول ہیں، جن کے بعد ہمارے یہاں خرافات واکاذیب کا کوئی درجہ نہیں۔ سیر و فضائل میں بھی انھیں کتابوں کو قبول عام حاصل ہے، جن کے مصنف محدثین کی جگہ قصاص و واعظین تھے۔ سب سے بڑی مصیبت یہ ہے کہ قدما کی کتابوں پر نظر نہیں اور ہر علم و فن میں تمام تر دارو مدار متاخرین پر ہے۔ یہ لوگ محض حاطب اللیل تھے اور چند کتابوں سے رطب و یابس روایات کو کسی ترتیب تازہ کے ساتھ جمع کر دینا ہی ان کی قوت تصنیف کا سدرۃ المنتہیٰ تھا۔

میں نے "قصاص و واعظین" کا لفظ کہا، یعنی مذہبی قصص وحکایات سے گرمی محفل کا کام لینے والے واعظ۔ فی الحقیقت یہ طبقہ ہمارے یہاں ابتداسے سرچشمۂ موضوعات و مبدأ جمیع اقسام افترا و مکذوبات و ینبوع خرافات وحکایات رہا ہے۔ یہ لوگ اپنے وعظ و بیانات کو انظار عوام میں دلفریب و پرکشش بنانے کے لیے مجبور تھے کہ قصص وحکایات کی تلاش و جستجو میں رہیں اور اگر میسر نہ آئیں تو خود وضع کریں۔ یکتبون الکتاب بایدیھم ثم یقولون ھذا من عند اللہ[1] پھر یہ لوگ اسی طرح کی تمام روایتوں کو شاعرانہ اغراق و تغلیب اور داستان طرازانہ اضافہ وتحشیہ کے ساتھ اپنی مجلسوں میں بیان کرتے تھے اور رفتہ رفتہ مرض متعدی ہو جاتا تھا۔

علی الخصوص متاخرین ایران میں بعض لوگوں نے وعظ گوئی کو ایک مستقل فن بنا دیا اور چونکہ قابل اور اہل قلم بھی تھے، اس لیے اپنی مجالس کو کتب سیر و قصص کی صورت میں مدون بھی کر دیا۔ اضلوا فاضلوا، فویل لھم ولا تباعھم[2]

مثلاً ملاحسین واعظ کاشفی اور ملامعین الدین ہروی انھیں لوگوں میں سے تھے۔ علی الخصوص آخر الذکر شخص جو فی الحقیقت انشاپردازی، حکایت طرازی، اقتباس روایات ضعیفہ وموضوعہ، تاویلات رکیکۂ قرآن وسنت اور عبور و رسوخ اسرائیلیات و روایات یہود میں اپنا جواب نہیں رکھتا تھا۔

مولود کی اردو کتابوں کے مآخذ

شاید بہت سے لوگوں کو یہ معلوم نہیں کہ آج اردو زبان میں جس قدر مولود لکھے گئے ہیں اور رائج ہیں وہ سب کے سب بے واسطہ یا بالواسطہ اسی ملامعین ہروی کی کتابوں "معارج النبوۃ" تفسیر سورۂ یوسف موسوم بہ "نقرہ کار" قصہ حضرت موسیٰ علیہ السلام موسوم بہ "اعجاز موسوی" وغیرہا سے ماخوذ ہیں۔

اس میں شک نہیں کہ ان کتابوں میں بعض حصے نہایت دلچسپ اور قابل دید ہیں مثلاً وہ صوفیانہ وعارفانہ لطائف ونکات آیات و احادیث، جو اقوال و مرویات صوفیہ سے لیے گئے ہیں یا خود اس نے پیدا کیے ہیں تاہم ان لطائف کو کیا کیجیے کہ اصل موضوع ہی سرتاسر ینبوع خرافات ہے۔

---

[1] اپنے ہاتھوں سے کتاب لکھتے ہیں، پھر کہتے ہیں یہ اللہ کی طرف سے ہے۔ (بقرہ: ۷۹) [2] وہ گمراہ ہوئے پس وہ گمراہ ہوئے افسوس ان پر اور ان کے پیرووں پر۔

یہ لوگ ان میں سے اکثر چیزوں کے خود موجد نہ تھے، بلکہ اپنی جماعت کے پیشرو افراد کے متبع تھے، لیکن فارسی میں بڑھکر اور کتب مجالس و وعظ شائع کر کے ان لوگوں نے تمام موضوعات و خرافات کو ایران و ہند میں پھیلا دیا، چونکہ عوام بالطبع اس غذا کے خواہاں رہتے ہیں، بغیر کسی دقت کے انھیں قبول عام حاصل بھی ہو گیا و القصہ بطولہا۔

سرچشمۂ اوّل

آپ نے جن روایات کی نسبت استفسار کیا ہے۔ آپ کو سن کر تعجب ہوگا کہ ان میں سے ایک واقعہ بھی ایسا نہیں، جو اصول فن حدیث کی بنا پر صحیح تسلیم کیا جا سکے اور جس کو کتب معتبرۂ محدثین میں روایت کیا گیا ہو۔ صحاح ان قصص سے خالی ہیں۔ عام مسانید و معاجم اور مصنفات مشہورہ میں بھی کوئی لائق احتجاج ثبوت نہیں ملتا۔ حافظ سیوطی نے "جمع الجوامع" میں جمع احادیث کا پورا التزام کیا ہے، لیکن یہ کیسی عجیب بات ہے کہ ان روایات کا اس میں بھی کہیں پتا نہیں۔ "کنز العمال" میں متعدد ابواب تھے، جہاں یہ روایات آ سکتی تھیں مثلاً معجزات من قسم الاقوال کے باب اعلام و دلائل نبوت میں، لیکن ایک اثر بھی وہاں درج نہیں کیا گیا۔ قسم الافعال میں ولادت کا مستقل باب موجود ہے مگر وہ نہایت مختصر ہے اور صرف چند آثار، تاریخ و ایام ولادت کے متعلق پائے جاتے ہیں۔ لیکن ان واقعات کا کہیں ذکر نہیں۔ معجزات ولادت میں صرف دو چار روایتیں آنحضرت کے مختون پیدا ہونے کی نسبت البتہ درج کی ہیں، لیکن وہ تمام تر ابن عساکر کی ہیں، جن کی نسبت علامہ ابن تیمیہ کہتے ہیں: "و فیہا احادیث کثیرہ ضعیفۃ موضوعۃ واھیۃ" پھر ان سب کے راوی اول حضرت ابن عباس ہیں اور اس لیے تمام روایات ولادت کی طرح یہ روایت بھی منقطع ہے، پس قابل احتجاج نہیں۔ "کنز العمال" کے باب قسم الافعال میں دلائل و اعلام نبوت کے عنوان کے نیچے دو تین طول طویل روایتیں ابن عساکر وغیرہ سے لے کر درج کی ہیں جن میں نہایت بے سروپا قصے بیان کیے ہیں اور یقیناً یکسر موضوع ہیں۔ تاہم ان میں بھی ان واقعات ولادت کا کہیں پتا نہیں۔

روایات حافظ ابو نعیم

پس دراصل ان قصص کا سرچشمہ وحید اور مبدأ اول وہ تین طول طویل حدیثیں ہیں جن کو ابو نعیم صاحب دلائل نے عمرو بن قتیبہ، ابن عباسؓ اور خود حضرت عباسؓ کی نسبت سے روایت کیا ہے اور یہی روایات ہیں کہ آگے چل قصاص مجلس آرا واعظوں نے اپنی گرمی مجلس کے لیے ان کا استقبال کیا۔ پھر تمام قصص و حکایات، کتب سیر متاخرین میں داخل ہو گئیں۔

شیخ جلال الدین سیوطی نے خصائص کبریٰ کی پہلی جلد میں ان تینوں روایتوں کو نقل کیا۔ ان میں سے ہر روایت ایک ایک صفحے کی ہے۔[1]

---

[1] مولانا نے ان کے بعض ٹکڑے نقل کیے ہیں، ہم نے پورے عربی متن حذف کر دیے ہیں اس سے اصل مضمون پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

حافظ ابو نعیم کی حیثیت

لیکن یہ تینوں روایتیں قطعاً بے اصل ہیں۔ وجوہ درج ذیل ہیں:

۱۔ حافظ ابو نعیم پانچویں صدی کے حفاظ حدیث میں سے ہیں۔ ذہبی نے انھیں تیرھویں طبقے کے ذیل میں شمار کیا ہے اور "تذکرہ"[۱] میں مفصل ترجمہ لکھا ہے۔ ان کی جلالت مرتبت سے انکار نہیں، لیکن کیا کیجیے کہ یہ ان لوگوں میں ہیں جن کی نسبت مسلّم ہے کہ فضائل معجزات میں رطب و یابس اور ضعیف و موضوع ہر طرح کی حدیثیں درج کر دیا کرتے تھے یا تو یہ حسن اعتقاد کی وجہ سے تھا یا پھر اعتماد علی الناس کہ لوگ خود درجہ صحت و ضعف کو تحقیق کرلیں گے۔ یہاں تک کہ علامہ ابن تیمیہ کو ابو الشیخ اصفہانی کے ذکر میں لکھنا پڑا:

وفیها احادیث کثیرة قویة صحیحة وحسنة واحادیث کثیرة ضعیفة وموضوعة........ وکذلك مایرویه ابو نعیم فی فضائل الخلفا فی کتاب مفرد فی اول حلیة الاولیاء (کتاب التوسل[۲])

(اور اس میں بہت سی حدیثیں ہیں جو قوی و حسن ہیں اور بہت سی ضعیف و موضوع ہیں...... یہی حال ان احادیث کا ہے جو ابو نعیم نے خلفا کے فضائل میں بصورت ایک مستقل کتاب کے روایت کی ہیں حلیۃ الاولیا کی ابتدا میں)

علامہ ابن تیمیہؒ کی شہادت پر شاید بعض پرستاران سبکی و ابن حجر مکی چیں بجبیں ہوں۔ مگر یہ واضح رہے کہ علامہ موصوف کے رسوخ حدیث وحفظ وضبط و اتقان فن کا وہ ارفع و اعلیٰ مقام ہے، جس سے ان کے سخت سے سخت مخالف کو بھی کبھی انکار کی جرأت نہ ہوسکی۔ حدیث "کنت نبیا و آدم بین الماء والطین" کو علامہ موصوف نے موضوع لکھا تھا حافظ ابو الخیر (سخاوی) ایک فتوے میں بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں "اس بارے میں ابن تیمیہؒ کے علم واسع اور حفظ حدیث پر اعتماد کرلینا، اعتماد کے لیے کافی ہے جس کا موافق اور مخالف دونوں کو اقرار ہے"۔

سخاوی کا یہ قول زرقانی نے "مواہب" کی شرح میں نقل کیا ہے۔ سب سے زیادہ یہ کہ حافظ ذہبی کا قول اس موقع پر یاد کرلینا چاہیے، جو کہتے ہیں کہ، مارایت اشد استحضاراً للمتون وعزوها منه وکانت السنة بین عینیه ولسانه بعبارة رشیقة وعین مفتوحة۔

حافظ ابو نعیم کے اس تساہل، موضوعات پر سکوت اور نقل و جمع روایات میں بے احتیاطی کی شکایت صرف علامہ موصوف ہی کو نہیں بلکہ اس سے بھی بڑھ کر واضح ثبوت اس کے لیے موجود ہے۔ یہی حافظ ذہبی جنھوں نے تذکرہ میں ان کا ترجمہ لکھا ہے۔ "میزان" میں حافظ ابو نعیم اور ان کے معاصر ابن مندہ کے باہمی طعن و قدح کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

---

[۱] یعنی "تذکرۃ الحفاظ" [۲] یہ رائے علامہ ابن تیمیہؒ نے "کتاب التوسل" میں ظاہر کی ہے لیکن یہ کتاب اس وقت میرے پاس موجود نہیں مولانا شبلی نے دیباچہ سیرت نبوی میں یہ عبارت نقل کی ہے اور صفحہ ۶۹ کا حوالہ دیا ہے (سیرۃ نبوی طبع اول میں یہ حوالہ صفحہ ۱۰۵، ۱۰۶ پر موجود ہے)

لا اقبل قول کل منهما فی الآخر وهما عندی مقبولان لا اعلم ذنبا اکبر من روایتهما الموضوعات ساکتین علیها۔

میں ان دونوں میں سے کسی کے طعن کو دوسرے کے حق میں قبول نہیں کرتا۔ میرے نزدیک دونوں مقبول ہیں۔ مجھے ان دونوں کا گناہ اس سے بڑھ کر تو کوئی نہیں معلوم کہ وہ جھوٹی حدیثیں روایت کرتے ہیں اور اس کی نسبت سکوت اختیار کرلیتے ہیں۔

حافظ ذہبی کے نزدیک یہ غفلت ان کی مقبولیت میں خلل انداز نہیں لیکن افسوس کہ اسی خطرناک مقبولیت نے ان موضوعات وحکایات کو قوم میں پھیلا دیا، جن کی وجہ سے آج اسلام کو شرمندۂ اغیار اور ہدف طعنۂ مخالفین و اجانب بننا پڑتا ہے۔

سلسلہ منقطع

۲۔ اب ان روایات پر نظر ڈالیے۔ میں اس وقت یہ بحث چھیڑنا نہیں چاہتا کہ درایۃً ان کے مطالب کس درجہ قابل اعتراض و انکار ہیں۔ کیونکہ کہہ چکا ہوں، پہلی چیز نفس روایت کی صحت و عدم صحت ہے ان روایات میں پہلی عمرو ابن قتیبہ سے ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے اپنے والد سے سنا "وکان من اوعیۃ العلم" انھوں نے اپنے والد کی فضیلت علمی تو بیان کر دی لیکن کچھ نہیں معلوم کہ انھوں نے یہ واقعہ کیونکر معلوم کیا اور کس اعتماد پر بیان کر رہے ہیں؛ ذکر ولادت کی اکثر روایتیں منقطع ہیں (یعنی واقعہ تک راوی کا سلسلہ نہیں پہنچتا) لیکن یہ روایت منقطع روایات میں بھی بدترین منقطع ہے۔ دوسری روایت کے راوی اول حضرت ابن عباسؓ ہیں لیکن ابن عباسؓ واقعہ ولادت نبوی کے پچاس برس بعد پیدا ہوئے ہیں۔ نہیں معلوم انھوں نے کس سے سنا۔ پھر باقی روایت کا پتا نہیں۔

تیسری روایت کا معاملہ

تیسری روایت میں خود تصریح کر دی ہے کہ "بسند ضعیف" لیکن راوی کے اس انکسار طبع پر ہم قانع نہیں ہوسکتے، کیونکہ یہ روایت ضعیف ہی نہیں بلکہ سرے سے موضوع ہے۔ روایت خود حضرت عباسؓ سے ہے، جو بطور جملہ معترضہ کے آغاز حدیث میں کہتے ہیں "ولد اخی عبداللّٰہ وھو اصغرنا (میرا بھائی عبد اللہ پیدا ہوا اور وہ ہم تمام بھائیوں میں سب سے چھوٹا تھا) صرف یہی جملہ معترضہ اس روایت کے موضوع ہونے کے لیے ایک محکم اندرونی شہادت ہے کیونکہ بالاتفاق یہ مسلّم ہے کہ حضرت عبداللّٰہ حضرت عباسؓ سے بڑے تھے نہ کہ چھوٹے۔

حافظ ابن عبدالبرؒ "الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب" میں لکھتے ہیں:

عباس ابن عبد المطلب عم رسول اللّٰہ یکنی ابا الفضل بابنہ الفضل وکان العباس اسن من

عباسؓ بن عبد المطلب آنحضرت کے چچا اپنے لڑکے فضل کی نسبت سے ابو الفضل کنیت رکھتے تھے ان کی عمر

رسول اللہ بسنتین و قبل بثلاث سنین۔ | آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے صرف دو برس زاید تھی اور بعض نے کہا
(کتاب مذکور جلد ۲ صفحہ ۴۹) | کہ تین برس۔

جب خود حضرت عباسؓ کی عمر آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) سے صرف دو تین برس زیادہ تھی تو وہ آپ کے والد سے کیونکر بڑے ہو سکتے تھے، معلوم ہوتا ہے کہ جس نادان نے یہ قصہ گھڑ کر حضرت عباسؓ کی طرف منسوب کیا ہے یا تو اس غریب کو اس کی خبر نہ تھی یا جانتا تھا اور روایت کو معتبر بنانے کے لیے قصداً یہ ٹکڑا داخل کر دیا تاکہ ضمناً ایک دوسرا مغالطہ دے کر روایت کو انقطاع سے محفوظ ثابت کر دے۔ فکفیٰ بذالک کذبہ وبھتانہ علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وعمہ، ومن کذب علیہ متعمداً فلیتبوؤ مقعدہ فی النار۔

حافظ سیوطی کی شہادت

۳۔ ایک سب سے بڑی دلیل واضع ان روایات واہیہ کے ناقابل اعتبار ہونے کی یہ ہے کہ خود حافظ ابونعیم نے دلائل النبوۃ میں ان روایات کو نقل نہیں کیا[1] حالانکہ اس میں ہر طرح کی ضعیف و منکر روایتیں بلا تامل جمع کر دی ہیں۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ خود حافظ موصوف کے نزدیک یہ روایات اس درجہ واضع طور پر موضوع تھیں کہ وہ ضعیف و منکر روایتوں میں بھی انھیں نہ لے سکے اور باوجود ان کے مذاق میں سب سے بڑے ذخیرۂ دلائل و اعلام نبوت ہونے کے مجبوراً چھوڑ دینا پڑا۔

۴۔ لیکن ان سب سے بڑھ کر ایک برہان قاطع اور شہادت واضع دجو فی الحقیقت ان روایات کے موضوع ہونے کا آخری فیصلہ کر دیتی ہے، یہ ہے کہ خود حافظ سیوطی خصائص کبریٰ میں تیسری روایت نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

ھذا الاثر والاثران قبلہ فیھا نکارۃ شدیدۃ ولم اورد فی کتابی ھذا اشد نکارۃ منھا ولم تکن نفسی تطیب بایرادھا (فتامل) لکنی تبعت الحافظ ابا نعیم فی ذلک۔	یہ روایت اور اس سے قبل کی جو دو روایتیں ہیں تو ان میں نہایت سخت و شدید انکار و قباحت ہے اور باوجود ان کے اشد شدید انکار کے میں نے اس کتاب میں جو درج کیا تو میرا دل اس اثر کو پسند نہیں کرتا تھا مگر میں نے محض حافظ ابونعیم کی پیروی کے خیال سے ایسا کر دیا۔
(خصائص کبریٰ جلد ۱ ۔ صفحہ ۴۹)	

حافظ سیوطی ہر طرح کی رطب و یابس روایتوں کے جمع کرنے بلکہ ان سے استدلال کر دینے میں جس درجہ بے احتیاط اور تساہل پیشہ ہیں وہ ارباب نظر سے مخفی نہیں، لیکن ان روایات کی لغویت کا یہ حال تھا کہ وہ بھی باین ہمہ تساہل چپ نہ رہ سکے اور بے اختیار ہو کر انکار شدید کے ساتھ اس کی معذرت کرنی پڑی کہ محض حافظ ابونعیم کے اتباع

---

[1] دلائل النبوۃ دائرۃ المعارف حیدرآباد میں چھپ گئی ہے۔ اس کے پہلے حصے کے صفحہ (۳۲) میں تزویج آمنہ کا پورا باب دیکھ جائیے۔ بہت سی روایات ضعیفہ و واہیہ درج ہیں مگر ان روایات کا پتا نہیں۔

کے خیال سے درج کر دیتا ہوں۔

وہ لکھتے ہیں کہ میرا جی نہیں چاہتا کہ ان روایتوں کو درج کروں۔ غور کیجیے کہ جن روایتوں کے درج کرنے سے حافظ سیوطی کی طبیعت بھی اعراض کرے وہ کس درجہ واہی و مزخرف ہوں گی؟

آج کل مناقب و فضائل اور واقعات و سیر میں مدعیان فن کی انتہائی سرحد حافظ سیوطی و اقرانہ ہیں، لیکن یہ کیسا دلچسپ اقرار خود حافظ موصوف کا ہے کہ میں ہر طرح واہی و منکر روایتیں لوگوں کے اتباع کے خیال سے درج کر دیتا ہوں۔ فتاملوا وتفکروا ولا تغتروا باصحاب العمائم العجرا ؍ اذ قتردھا واجازدھا، ان ھم الا اصحاب اوھام وشقاشق یتقربون بھا من العوام۔

ایوان کسریٰ وغیرہ

آپ کے اکثر سوالات کا جواب ان روایات کی بحث میں آگیا۔ نیز بعض غیر مسئول امور کا بھی۔ لیکن ابھی ایک چوتھی روایت باقی ہے جس میں آتشکدۂ ایران کے بجھ جانے، قصر نوشیرواں کے کنگوروں کے گرنے، کاہنوں کے پراسرار و عجائب اظہارات اور ایک خطبہ کہانت کا ذکر کیا گیا ہے۔

یہ روایت بھی پورے دو صفحے کی ہے۔ سیوطی نے "خصائص" میں اور حافظ ابونعیم نے "دلائل" میں اسے درج کیا ہے۔ اگر نقل کروں تو پورے دو کالم مطلوب ہوں (یعنی "الہلال" کے) خلاصہ مضمون یہ ہے کہ آنحضرت کی ولادت کی رات کسریٰ کے ایوان میں زلزلہ محسوس ہوا اس کے چودہ کنگورے گر گئے۔ ایوان کی وہ آگ جو ہزار سال سے نہیں بجھی تھی، بجھ گئی۔ بحیرۂ ساوہ خشک ہوگیا۔ نوشیرواں نے وزرا اور موبدوں کو جمع کر کے اس کی وجہ پوچھی۔ انھوں نے کہا کہ ہم نے بھی خواب دیکھا ہے، عرب میں کوئی انقلاب ہونے والا ہے۔ اس پر نوشیرواں نے نعمان بن منذر کے نام خط لکھا کہ عرب سے ایک ایسا شخص بھیج دو جو میرے ہر سوال کا جواب دے۔ نعمان نے عبدالمسیح نامی ایک کاہن کو بھیجا لیکن اس نے اپنے سے زیادہ عالم سطیح کاہن شام کو تلایا اور نوشیرواں کے سوالات لے کر وہ اس کے پاس گیا۔ سطیح مرض الموت میں گرفتار تھا۔ عبدالمسیح نے کہانت آمیز اشعار پڑھے اور جب اس نے سر اٹھایا تو کہا: تھوی الی سطیح وقد اوفی علی الضریح، بعثک ملک بنی ساسان، لارتجاس الایوان وخمود النیران ورؤیا الموبذان، رای ابلا صعابا تقود خیلاً عرابا وغیرہ وغیرہ۔

سطیح مرگیا اور جواب کی مہلت نہ پائی[1] لیکن یہ روایت بھی قطعاً ناقابل اعتنا ہے۔ اس کا راوی اول مخزوم ابن ہانی ہے جو اپنے باپ سے روایت کرتا ہے۔ خود حافظ سیوطی یہ روایت نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں؛

قال ابن عساکر: حدیث غریب لا نعرفہ الا من — ابن عساکر نے اس کی نسبت کہا ہے کہ حدیث غریب ہے

---

[1] پوری روایت کے لیے "دلائل النبوۃ" جلد اول صفحہ ۴۱ اور "خصائص" جلد اول صفحہ ۴۹ کو دیکھیے۔